فہمِ سیرت کے تقاضے

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی ○

سیرتِ نبویؐ اسلامی علوم کے کسی ایک گوشے تک محدود نہیں۔ وہ قرآن، حدیث، تاریخ، فقہ، دعوت، اخلاق، تہذیب اور انسانی کردار کے متعدد دائروں کو باہم مربوط کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیرتِ رسولؐ قرآنِ کریم کے فہم کی ایک بنیادی کلید ہے اور قرآن سیرت کی معنوی روح۔ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کلام کی سب سے کامل انسانی تفسیر۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان سے کیا چاہتا ہے، اور سیرت ہمیں دکھاتی ہے کہ اس الٰہی ہدایت کو ایک کامل انسانی زندگی میں کس طرح برتا گیا۔ قرآن اصول عطا کرتا ہے اور سیرت ان اصولوں کو زندگی کے واقعات میں مجسم کرکے ہمارے سامنے رکھ دیتی ہے۔

قرآنِ کریم کا وہ نور جو الفاظ کے پردوں میں پوشیدہ ہے، سیرت کے آئینے میں اپنی بہت سی شعاعوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ آیات کے نزولی پس منظر، مخاطبین کے حالات، مکی و مدنی زندگی کے مختلف اَدوار، دعوت کے نشیب و فراز، صحابۂ کرامؓ کی تربیت، اہلِ مکہ کی مزاحمت، مدینہ میں اسلامی معاشرے کی تشکیل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی فیصلوں کو جانے بغیر قرآن کی متعدد آیات کے تاریخی اور معنوی پہلو پوری طرح روشن نہیں ہوتے۔ اسی طرح قرآن سے بے نیاز ہوکر سیرت کا مطالعہ بھی واقعات کو ان کے اصل مقصد اور وحی کے وسیع تر نظام سے کاٹ دیتا ہے۔

اس لیے سیرت کے طالب علم کے لیے قرآن محض مطالعے کا پہلا زینہ نہیں بلکہ پورے

○ صدر، کیمبرج اسلامک کالج، اور ۴۳ جلدوں میں مؤلف: الوفاء باسماء النساء (محدثات کا سوانحی انسائی کلوپیڈیا)

سفر کا مرکزی محور ہونا چاہیے۔ قرآن سے سیرت کی طرف اور سیرت سے قرآن کی طرف بار بار رجوع کرنا چاہیے۔ قرآن واقعے کو ہدایت سے جوڑتا ہے اور سیرت ہدایت کو واقعے میں دکھاتی ہے۔ یوں دونوں ایک دوسرے کی شرح بن جاتے ہیں اور طالب علم کے سامنے نبوی زندگی کا وہ مربوط نقشہ ابھرتا ہے جس میں وحی اور عمل، قول اور کردار، دعوت اور تربیت، فرد اور معاشرہ ایک ہی وحدت کے مختلف پہلو بن جاتے ہیں۔

اسی حقیقت کی روشنی میں امام ابن حزمؒ کا یہ معروف قول نہایت معنی خیز معلوم ہوتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کی سیرت کے سوا کوئی معجزہ نہ ہوتا، تو آپؐ کی سیرت ہی آپؐ کی صداقت کے اثبات کے لیے کافی ہوتی۔ یہ محض عقیدت کا ایک بلیغ جملہ نہیں، بلکہ نبوی کردار کی اس غیر معمولی جامعیت کی طرف اشارہ ہے جس میں صدق و امانت، صبر و استقامت، عبادت و بندگی، شجاعت و رحمت، عدل و عفو، تدبیر و توکل اور انسانوں کی تربیت و اصلاح کے بے شمار پہلو ایک ہی زندگی میں جمع ہو گئے تھے۔

سیرت کو عام تاریخ کے پیمانے سے دیکھنا بھی اس کے حقیقی مقام کو محدود کر دیتا ہے۔ سیرت تاریخ ضرور ہے، مگر محض تاریخ نہیں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کیا واقعہ ہوا، سیرت اس کے ساتھ یہ بھی پوچھتی ہے کہ وہ کیوں واقع ہوا، کن حالات میں واقع ہوا، اس کے پس پردہ کیا حکمت تھی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر کون سا طرزِ عمل اختیار فرمایا، اور اس واقعے سے امت کے لیے کون سی دائمی رہنمائی نکلتی ہے۔ تاریخ ماضی کو محفوظ کرتی ہے، سیرت ماضی کو حال کے لیے زندہ کر دیتی ہے۔ تاریخ واقعات کا بیان ہے، سیرت واقعات کی معنویت کا انکشاف بھی ہے۔

اسی لیے سیرت کا مطالعہ نہ محض قصہ خوانی ہے، نہ واقعات کی یادداشت اور نہ صرف تاریخی معلومات کا حصول۔ اس کے لیے روایت کی صحت، تاریخی شعور، عربی زبان سے واقفیت، قرآن و حدیث کا فہم اور واقعات کے باطن تک پہنچنے کی صلاحیت درکار ہے۔ سیرت کے طالب علم کو آہستہ آہستہ یہ ملکہ پیدا کرنا چاہیے کہ وہ کسی مشہور واقعے کو محض اس لیے قبول نہ کرلے کہ وہ کسی کتاب میں درج ہے۔ اسے یہ دیکھنا چاہیے کہ روایت کا ماخذ کیا ہے، اس کی

سند کیا ہے، متن کی حیثیت کیا ہے، دوسرے طرق کیا کہتے ہیں، اور وہ قرآن وسنت کے مجموعی مزاج سے کس حد تک ہم آہنگ ہے؟

یہاں روایت اور درایت کا توازن بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ سیرت کا بڑا حصّہ حدیثی، مغازی اور تاریخی روایات کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے، اور ان روایات کا درجہ یکساں نہیں۔ صحیح، حسن، ضعیف، مرسل اور مختلف نوعیت کی روایات اس ذخیرے میں موجود ہیں۔ امام طبریؒ کا تاریخی روایت کے بارے میں یہ اصول کہ ماضی کے واقعات تک رسائی معتبر نقل کے ذریعے ہی ممکن ہے، سیرت کے طالب علم کے لیے بھی ایک بنیادی علمی رہنما اصول ہے۔ روایت ہمیں بتاتی ہے کہ کیا منقول ہے، جب کہ درایت اس کے فہم، سیاق اور تاریخی وزن کو متعین کرنے میں ہماری مدد کرتی ہے۔ پختہ مطالعہ انھی دونوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔

مطالعہ سیرتؐ کے بنیادی اصول

اس بنیادی اصول کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سیرت کا مطالعہ کہاں سے شروع کیا جائے اور کس ترتیب سے آگے بڑھا جائے؟ میرے خیال میں اس سفر کو تین بڑے مدارج میں تقسیم کرنا زیادہ مفید ہے:

ابتدائی مرحلہ، جس میں سیرت سے اُنس اور اس کا جامع خاکہ پیدا ہو۔ متوسط مرحلہ، جس میں مصادر، روایات اور واقعات کی تفہیم کی طرف پیش قدمی ہو۔ اعلیٰ مرحلہ وہ ہے جس میں تحقیق، تحلیل، تقابل اور سیرت کے فکری و دعوتی مضمرات کا مطالعہ کیا جائے۔ یہ تقسیم کوئی جامد نصاب نہیں۔ طالب علم کی استعداد، عربی زبان سے واقفیت اور علمی پس منظر کے لحاظ سے اس میں کمی بیشی ہوسکتی ہے۔

● **ابتدائی مرحلہ:** ابتدائی مرحلے میں سب سے پہلے قرآنِ کریم سے رشتہ قائم کرنا چاہیے۔ قرآن کو ترجمے اور کسی معتبر تفسیر کے ساتھ اس نظر سے پڑھا جائے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت، مکی و مدنی زندگی، اہلِ ایمان کی تربیت، مشرکین کا ردِّعمل، ہجرت، جہاد، معاہدات، منافقین، اہلِ کتاب اور اسلامی معاشرے کی تشکیل کے بارے میں کیا رہنمائی موجود ہے۔ خصوصاً مکی سورتوں کا مطالعہ سیرت کے طالب علم کے لیے نہایت اہم ہے، کیونکہ

ان میں توحید، آخرت، رسالت، صبر، استقامت اور تزکیۂ نفوس کے وہ بنیادی مضامین موجود ہیں جو مکی دور کی پوری روح کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

اس کے ساتھ صحیح احادیث کے منتخب ابواب کا مطالعہ ہونا چاہیے، کیونکہ حدیث سیرت کے واقعات کو تفصیلات اور عملی جزئیات کے ساتھ روشن کرتی ہے۔ قرآن اگر اسوہ کا اصول ہے، تو حدیث اس اسوہ کی تفصیل۔ قرآن نبویؐ دعوت کے بنیادی مضامین بیان کرتا ہے اور حدیث ہمیں اس دعوت کے عملی اسلوب، نبوی اخلاق، معاشرت، عبادت، معاملات اور فیصلوں سے روشناس کراتی ہے۔

اردو خواں طالب علم کے لیے اس مرحلے میں ایک یا دو معتبر اور نسبتاً آسان سیرت کی کتابیں منتخب کرنا مناسب ہے۔ مقصد یہ نہیں کہ ابتدا ہی میں سیرت کے تمام جزئیات اور اختلافات میں داخل ہوا جائے، بلکہ پہلے حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واضح اور مربوط نقشہ ذہن میں قائم کیا جائے: بعثت سے پہلے کا عرب، آغازِ وحی، ابتدائی دعوت، دارِارقم، مظالمِ قریش، ہجرتِ حبشہ، شعبِ ابی طالب، عام الحزن، طائف، معراج، بیعتِ عقبہ، ہجرتِ مدینہ، مواخات، میثاقِ مدینہ، غزوات، صلح حدیبیہ، فتح مکہ، حجۃ الوداع اور وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب یہ مجموعی تصویر ذہن میں واضح ہوجاتی ہے تو بعد کی تفصیلات اپنی جگہ خود متعین ہونے لگتی ہیں۔

اس ابتدائی مرحلے میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی سیرتِ سرورِ عالمؐ خاص طور پر مفید ہے۔ مولانا مودودیؒ نے سیرت کو محض تاریخی واقعات کے تسلسل کے طور پر نہیں دیکھا بلکہ اس کے اندر موجود دعوتی، فکری، اخلاقی اور اجتماعی پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔ ان کی سیرت نگاری کا ایک امتیاز یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو انسانی زندگی کی جامع اصلاح کے ایک عظیم منصوبے کے طور پر سامنے لاتے ہیں۔ فرد کی تربیت سے معاشرے کی تشکیل، دعوت سے اقامتِ دین اور اخلاقی انقلاب سے اجتماعی نظم تک سیرت کے مختلف پہلو ان کے ہاں باہم مربوط دکھائی دیتے ہیں۔ البتہ علمی مطالعے میں اسے ایک مخصوص فکری و دعوتی منہج کے طور پر پڑھنا چاہیے، نہ کہ سیرت کے تمام مصادر کا قائم مقام سمجھنا چاہیے۔

● **متوسط مرحلہ:** جب بنیادی نقشہ واضح ہوجائے تو طالب علم کو اصل عربی مصادر

کی طرف قدم بڑھانا چاہیے۔ سیرت ابن ہشام اور طبقات ابن سعد اس مرحلے میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ تاریخ طبری بھی مفید ہے، خصوصاً اس لیے کہ اس سے طالب علم کو ابتدائی اسلامی تاریخ کے وسیع تر تناظر اور مختلف روایتی مواد سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ ان کتابوں کا مطالعہ اس مقصد سے نہیں ہونا چاہیے کہ طالب علم ہر روایت کو بلاتحقیق قبول کرلے، بلکہ اس لیے کہ وہ سیرت کے ابتدائی مآخذ اور روایت کے تاریخی ذخیرے سے براہِ راست آشنا ہو۔

حدیثی مآخذ کی طرف رجوع بھی اسی مرحلے میں شروع ہونا چاہیے۔ موطا امام مالک، مسند احمد، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن دارمی، صحیح ابن حبان، معاجمِ طبرانی اور سنن بیہقی وغیرہ میں سیرت سے متعلق بے شمار مواد محفوظ ہے۔ ان تمام کتابوں کو مکمل طور پر پڑھ لینا ہر طالب علم کے لیے نہ ضروری ہے نہ ممکن، لیکن سیرت کے مختلف ابواب اور واقعات کے سلسلے میں ان کی طرف رجوع کرنے سے طالب علم کو یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ سیرت کسی ایک مصنف کی مرتب کردہ داستان نہیں، بلکہ قرآن، حدیث، مغازی، طبقات اور تاریخ کے متعدد ذخائر میں پھیلی ہوئی ایک وسیع علمی روایت ہے۔

اس مرحلے کے بعد مطالعہ کا رُخ واقعات سے ان کے مفاہیم اور حکمتوں کی طرف ہونا چاہیے۔ یہاں ابن کثیر کی السیرۃ النبویۃ، ابن قیم کی زاد المعاد، قاضی عیاض کی الشفاء، سہیلی کی الروض الانف اور ابن سید الناس کی عیون الاثر جیسی کتابیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کتابوں کے ذریعے طالب علم سیرت کو حدیث، فقہ، لغت، شمائل، اخلاق اور دعوت کے مختلف زاویوں سے دیکھنا سیکھتا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں محمد الغزالی کی فقہ السیرۃ اور سعید رمضان البوطی کی فقہ السیرۃ النبویۃ کا مطالعہ خاص فائدہ دیتا ہے۔ دونوں کتابوں میں سیرت کے واقعات کو محض تاریخی تسلسل میں بیان کرنے کے بجائے ان کے فقہی، دعوتی، تربیتی اور فکری مضمرات پر غور کیا گیا ہے۔ محمد الغزالی کا اسلوب زیادہ دعوتی، اصلاحی اور عصری ذہن سے مکالمہ کرنے والا ہے۔ وہ واقعات کے اندر سے ایسے اصول اخذ کرتے ہیں جو آج کے انسان، معاشرے اور دعوتی کارکن کے لیے رہنمائی فراہم کرسکیں۔ البوطی کے ہاں سیرت کے واقعات کا فقہی، اصولی اور منہجی تجزیہ

زیادہ نمایاں ہے۔ ان دونوں کتابوں کا مطالعہ طالب علم کو ایک اہم تبدیلی سے گزارتا ہے: اب وہ صرف یہ نہیں پوچھتا کہ ''کیا ہوا؟'' بلکہ یہ بھی پوچھتا ہے کہ ''اس سے کیا سمجھا جائے؟''

اردو زبان میں اسی علمی ارتقا کا ایک بلند مقام علامہ شبلی نعمانیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی سیرۃ النبیؐ ہے۔ برصغیر کی سیرت نگاری میں اس کتاب کی حیثیت بنیادی ہے۔ شبلیؒ نے سیرت کے مطالعے کو جدید تاریخی سوالات، تحقیقی منہج اور استدلالی اسلوب سے جوڑنے کی بنیاد رکھی، اور سید سلیمان ندویؒ نے اسے غیر معمولی علمی وسعت، تاریخی بصیرت اور ادبی حُسن کے ساتھ آگے بڑھایا۔ اس کتاب کا امتیاز یہ ہے کہ یہاں عقیدت تحقیق کی راہ میں حجاب نہیں بنتی اور تحقیق عقیدت کی حرارت سے محروم نہیں ہوتی۔ روایت، تاریخ، تنقید، استدلال اور ادب ایک دوسرے سے مربوط ہو کر سیرت کا ایک وسیع علمی منظر نامہ تشکیل دیتے ہیں۔

اسی سلسلے میں مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی سیرت نگاری کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ ان کے ہاں سیرت کا اخلاقی، دعوتی اور روحانی پہلو پوری قوت سے سامنے آتا ہے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو محض ایک تاریخی عہد کے طور پر نہیں بلکہ ہر عہد کے انسان کے لیے زندہ رہنمائی کے طور پر پیش کیا۔ ان کی تحریروں میں سیرت کا علم دل سے مخاطب ہوتا ہے اور انسان کو اپنے کردار، دعوت اور تعلق باللہ پر نظرِ ثانی کی دعوت دیتا ہے۔ اگر شبلی نعمانی اور سلیمان ندوی کا امتیاز تحقیقی وسعت ہے اور سیّد مودودی کا امتیاز فکری و دعوتی تجزیہ، تو علی میاںؒ سیرت کے قلبی، اخلاقی اور روحانی اثرات کو نمایاں کرنے میں ممتاز ہیں۔

اعلیٰ عربی مطالعے کے مرحلے میں طٰہٰ حسین کی علی ھامش السیرۃ بھی ایک مختلف اور قابلِ مطالعہ تجربہ فراہم کرتی ہے۔ یہ روایتی معنوں میں بنیادی سیرت کا ماخذ نہیں، نہ اسے حدیثی و تاریخی مصادر کا قائم مقام سمجھا جاسکتا ہے، لیکن جدید عربی ادب میں سیرت کے مواد سے ادبی و فکری استفادے کی ایک نمایاں مثال ضرور ہے۔ طٰہٰ حسین نے جاہلی عرب کے ماحول اور سیرت کے ابتدائی واقعات کو ایک ادبی اسلوب میں برتا ہے، جس سے طالب علم کو یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ سیرت کا مواد جدید عربی ادب اور فکری روایت میں کس طرح نئے اسلوب اور نئے سوالات کے ساتھ سامنے آیا۔ اعلیٰ درجے کے طالب علم کے لیے یہ مطالعہ سیرت نگاری

کے مناہج اور ادبی تعبیرات کے تقابلی فہم میں مفید ہوسکتا ہے۔

یہاں ایک اہم علمی احتیاط ضروری ہے۔ سیرت کی تمام کتابیں ایک ہی نوعیت کی نہیں ہوتیں اور ان سب کا علمی وزن بھی یکساں نہیں۔ ابن ہشام اور ابن سعد بنیادی روایتی مصادر کے طور پر پڑھے جائیں۔ ابن کثیر اور ابن قیم حدیثی وفقہی بصیرت کے ساتھ۔ شبلی نعمانی اور سلیمان ندوی جدید تحقیقی اور تاریخی منہج کے ساتھ، جب کہ سیّد مودودی دعوتی واجتماعی زاویے سے۔ محمد الغزالی اور البوطی فقہی، فکری اور تربیتی زاویے سے، علی میاں اخلاقی، دعوتی اور روحانی پہلو سے، اور طٰہٰ حسین ادبی وفکری زاویے سے۔ اس فرق کو ملحوظ رکھنا علمی دیانت کا تقاضا ہے۔

● **اعلیٰ مرحلہ**: اعلیٰ درجے کے طالب علم کے لیے سیرت کی مستقل کتابوں سے آگے بڑھ کر ان علوم کا مطالعہ بھی ضروری ہے جو سیرت کے فہم کو گہرا کرتے ہیں۔ قرآن کی تفاسیر، شروحِ حدیث، کتبِ شمائل، دلائل النبوۃ، خصائصِ نبویؐ، تاریخِ عرب، عربی لغت اور جاہلی ادب اس سلسلے میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ خصوصاً عربی زبان سے واقف طالب علم کے لیے جاہلی عرب کے سیاسی، قبائلی، معاشرتی اور ادبی ماحول سے واقفیت نہایت مفید ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت جس معاشرے میں ظاہر ہوئی، اس کے ذہنی اور تہذیبی پس منظر کو جانے بغیر بہت سے واقعات کی حقیقی معنویت پوری طرح واضح نہیں ہوتی۔

اسی مرحلے میں جدید سیرت نگاری، مستشرقین کے مباحث اور معاصر تاریخی مناہج کا مطالعہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ تاہم، اس کے لیے ترتیب کا لحاظ بہت ضروری ہے۔ جو طالب علم ابھی بنیادی اسلامی مصادر سے واقف نہیں ہوا، اس کے لیے براہِ راست اعتراضات اور شبہات کی دنیا میں داخل ہونا ذہنی انتشار کا سبب بن سکتا ہے۔ پہلے اسے قرآن، حدیث، سیرت، مغازی اور اسلامی تاریخی روایت کے اصولوں سے مضبوط واقفیت حاصل کرنی چاہیے، پھر جدید تاریخی مناہج اور مستشرقین کے اعتراضات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس طرح وہ نہ مرعوب ہوگا، نہ محض جذباتی دفاع پر اکتفا کرے گا، بلکہ علمی نقد، تقابل اور تجزیے کی صلاحیت پیدا کرسکے گا۔

سیرت کے مطالعے میں ایک نہایت اہم اصول روایت اور درایت کا امتزاج ہے۔ محض روایت جمع کرلینا تحقیق نہیں، اور صرف عقلی مناسبت کی بنیاد پر روایات کو رد کردینا بھی

تحقیق نہیں۔ سند، متن، سیاق، تاریخی قرائن، مختلف طرق، قرآن وسنت کے مجموعی مزاج اور محدثین کے اصول، ان سب کو سامنے رکھ کر سیرت کے مواد کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اسی توازن سے سیرت ایک طرف افسانوی قصہ خوانی سے محفوظ رہتی ہے اور دوسری طرف ایسی خشک تاریخی تنقید سے بھی جس میں نبوت کے روحانی اور اخلاقی پہلو نظروں سے اوجھل ہوجاتے ہیں۔

سیرت کے طالب علم کے لیے تاریخ، حدیث، لغت اور ادب کی باہمی نسبت کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ حدیث روایت کی بنیاد مضبوط کرتی ہے، تاریخ زمان و مکان اور اجتماعی حالات کا شعور عطا کرتی ہے، لغت الفاظ کے دقیق مفاہیم کھولتی ہے، اور ادب اس عہد کی تہذیبی اور ذہنی فضا سے آشنا کرتا ہے۔ یہ علوم سیرت سے باہر کے معاون مضامین نہیں، بلکہ اس کے فہم تک پہنچنے کے مختلف راستے ہیں۔

اس پورے علمی سفر میں استاد کی صحبت کی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے۔ کتاب معلومات فراہم کرسکتی ہے، لیکن معلومات کو بصیرت میں تبدیل کرنا استاد کا کام ہے۔ کتاب روایت پیش کرتی ہے، استاد اس کے درجۂ اعتبار اور محلِ استعمال کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ کتاب واقعہ بیان کرتی ہے، استاد اس کے پس منظر، حکمت اور معنویت کو واضح کرتا ہے۔ اس لیے ممکن ہو تو سیرت کا مطالعہ کسی ایسے صاحبِ علم کی نگرانی میں کیا جائے جو قرآن وحدیث، سیرت اور اسلامی تاریخ کے بنیادی مصادر سے واقف ہو اور روایت و درایت کے درمیان علمی توازن قائم رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

مطالعہ سیرت کا اہم تقاضا

اس تمام علمی سفر کا ایک ایسا پہلو بھی ہے جسے اگر نظرانداز کردیا جائے تو سیرت کا مطالعہ اپنی روح کھو دیتا ہے۔ سیرت کا مقصد صرف معلومات میں اضافہ نہیں، اس کا مقصد انسان کی تعمیر ہے۔ اگر ہم نے سیرت کی درجنوں کتابیں پڑھ لیں، مصادر کی فہرستیں یاد کرلیں اور روایات کی تخریج سے واقف ہوگئے، لیکن ہمارے اخلاق، معاملات، عبادت، دعوت اور تعلق باللہ میں کوئی تبدیلی نہ آئی تو ابھی ہم نے سیرت کے ظاہر کو تو پڑھا ہے، اس کی روح کو نہیں چھوا۔ سیرت کا حقیقی اثر اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب صبر ہمارے لیے محض ایک لفظ نہ رہے بلکہ زندگی

کا طریقہ بنے۔ رحمت ہمارے معاملات میں اترے، عدل ہماری قوت بنے، عفو ہماری شخصیت کا حصّہ بنے، اختلاف کے باوجود اخلاق باقی رہے، دعوت میں حکمت پیدا ہو، اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ ہمارے اندر محبتِ رسولؐ کو محض جذبات نہیں بلکہ اتباع کی تحریک بنادے۔

اسی لیے سیرت کو ایک مرتبہ پڑھ کر ختم کردینے والا نصاب نہیں سمجھنا چاہیے۔ انسان خود بدلتا رہتا ہے، اور سیرت کے وہی واقعات زندگی کے مختلف مرحلوں میں نئے معنی کے ساتھ اس کے سامنے آتے رہتے ہیں۔ طالب علمی میں جو واقعہ تاریخ معلوم ہوتا ہے، عملی زندگی میں وہ حکمت بن جاتا ہے۔ سیرتؐ کا مطالعہ آزمائش میں صبر کا نمونہ، دعوت میں منہج، خاندان میں حسنِ معاشرت، اقتدار میں عدل، اختلاف میں اخلاق، اور عمر کے کسی مرحلے میں محبت اور تعلق کا سرمایہ بن جاتا ہے۔

چنانچہ اگر سیرت کے مطالعے کے لیے ایک جامع ترتیب تجویز کی جائے تو اسے یوں کہا جاسکتا ہے: ابتدا قرآنِ کریم اور صحیح حدیث سے ہو، پھر معتبر اردو کتب کے ذریعے حیاتِ نبویؐ کا جامع نقشہ ذہن میں قائم کیا جائے۔ مولانا مودودیؒ کی سیرتِ سرورِ عالمؐ کے ذریعے دعوتی و اجتماعی زاویہ سمجھا جائے۔ اس کے بعد ابن ہشام، ابن سعد اور دیگر بنیادی عربی مصادر کی طرف رجوع کیا جائے۔ ابن کثیر، ابن قیم، قاضی عیاض، سہیلی اور ابن سید الناس کے ذریعے روایت کے ساتھ فہم و تحلیل پیدا کی جائے۔ شبلی نعمانی اور سلیمان ندوی کی سیرۃ النبیؐ سے تحقیقی و تاریخی بصیرت حاصل کی جائے۔ محمد الغزالی اور البوطی کی فقہ السیرۃ کے ذریعے فقہی، دعوتی اور تربیتی معانی کو سمجھا جائے۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی تحریروں سے سیرت کے اخلاقی، روحانی اور دعوتی اثرات کو محسوس کیا جائے، اور اعلیٰ درجے میں طٰہٰ حسین کی علی ھامش السیرۃ اور جدید عربی و مغربی سیرت نگاری کے تقابلی مطالعے کے ذریعے سیرت کے مختلف ادبی و فکری مناہج سے واقفیت حاصل کی جائے۔

اس ترتیب کی غرض کتابوں کی تعداد بڑھانا نہیں، بلکہ مطالعے کو ایک فکری ارتقا عطا کرنا ہے: واقعات سے مصادر تک، مصادر سے فہم تک، فہم سے تحلیل تک، اور تحلیل سے بصیرت و عمل تک۔

آخر کار سیرت کا اصل سوال یہ نہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کتنے واقعات یاد کر لیے یا کتنی کتابیں پڑھ ڈالیں، اصل سوال یہ ہے کہ اس مطالعے نے ہماری اپنی زندگی کو کتنا بدل دیا۔ ہمیں صرف یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا، ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ آپؐ کیسے تھے؟ اپنے رب کے ساتھ کیسے، اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ کیسے، اپنے اصحاب کے ساتھ کیسے، مخالفین کے ساتھ کیسے، کمزوروں کے ساتھ کیسے، فتح کے وقت کیسے اور ابتلا کے وقت کیسے تھے؟

سیرت کا حُسن یہ ہے کہ وہ تاریخ کو زندگی سے جوڑ دیتی ہے۔ جب ہم اسے اس نظر سے پڑھتے ہیں تو ماضی محض ایک گزرے ہوئے زمانے کی تصویر نہیں رہتا، بلکہ وہ ہمارے حال کو پرکھنے کا آئینہ بن جاتا ہے۔ پھر سیرت کا مطالعہ کتاب ختم کرنے کا عمل نہیں رہتا، بلکہ اپنے آپ کو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھنے کا عمل بن جاتا ہے۔

شاید سیرت کے مطالعے کی حقیقی منزل یہی ہے کہ علم محبت کو جنم دے، محبت اتباع کی طرف لے جائے، اور اتباع کردار کو بدل دے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہوجائے تو سیرت محض ایک علمی موضوع نہیں رہتی، وہ ایمان کی حرارت، فکر کی روشنی، کردار کی تعمیر، دعوت کی سمت اور زندگی کا معیار بن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے شوقِ مطالعہ کو علمِ نافع، صحیح فہم اور محبتِ رسولؐ کا ذریعہ بنائے، اور سیرت کے مصادر و مآخذ سے صحیح استفادے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں ان خوش نصیب لوگوں میں شامل فرمائے جن کے لیے سیرتِ طیبہ ماضی کی ایک داستان نہیں، بلکہ حال کی رہنمائی، کردار کی تعمیر، مستقبل کی امید اور آخرت کی کامیابی کا راستہ ہے۔